یوم تکبیر اور اس کے تقاضے

حافظ عزیز انور ------ پاکپتن

۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کا اخبار اٹھایا تو جلی حروف میں مین سرخی پر نظر پڑی تو ذہن غصے سے کھولنے لگا دل نے گویا جسم کے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ کہ "بھارت نے تین ایٹمی دھماکے کر دیئے" ایسا کیوں نہ ہوتا۔ اس نے ہماری غیرت کو للکارا تھا۔ یہ میری حالت نہیں تھی بلکہ ہر محب وطن پاکستانی کے یہی جذبات تھے اور پھر ۱۳ مئی کو دو دھماکوں کی خبر پڑھی اور ساتھ بھارتی حکمرانوں کے دھمکی آمیز بیانات بھی تھے۔ تو میں آپ سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ یہ سب کچھ محض پاکستان پر رعب جمانے کے لئے تھا۔ تو باون برس قبل کے حالات میری نظروں میں فلم کی طرح گھومنے لگے۔

جب مسلمانوں نے قرارداد پاکستان منظور کرکے الگ وطن کا نعرہ بلند کیا تو ہندو افرنگ گٹھ جوڑ سے مسلمانوں پر وہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے کہ اخلاقیات کی گردن ذبح ہوئی نہ انسانیت کا سینہ شق ہوا۔ شائستگی کا قلب پھٹا نہ عدم تشدد کے اصولوں پر زد پڑی۔ نہ تہذیب و تمدن کی پیشانی شرم سے جھکی اور نہ اس قوم کے فخر و غرور انسانیت کی حیاء سے آنکھیں نیچی ہوئیں۔ لیکن مسلمانوں نے علامہ اقبالؒ کے تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں فرقہ پرستی کے بت کو پاش پاش کرکے اور صوبائی حد بندیوں کو توڑ کر وحدت الہٰ، وحدت قوم اور وحدت نصب العین کی قوت کا وہ مظاہرہ کیا کہ بالآخر پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ جونہی ہندوؤں کے سروں سے انگریز کا دست جبر اٹھا اور پورے بھارت کے بلاشرکت غیرے حکمران بن گئے تو انہیں آزادی راس نہ آئی اور ہوس ملک گیری سے مغلوب ہو کر نہ صرف پاکستان کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اس کو صفحہ ہستی سے مٹا کر پھر سے اکھنڈ بھارت کے قیام کے لئے کوشاں ہو گئے۔ ابھی پاکستان اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقسیم ہند کے وقت ہی پاکستان [illegible] دیا گیا [illegible] کیا گیا تو [illegible] پاکستان [illegible] ہو جاتا کہ بھارت [illegible] جنگی [illegible] کر دیا۔ لیکن پاک فوج کے مجاہدین [illegible] ایسے مورچے پر جب ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں تو نہ صرف بھارت کو شکست [illegible] سارا خطہ (آزاد کشمیر) بھارت کے چنگل سے آزاد کرا لیا۔

۱۹۶۲ء میں چین بھارت جنگ کے بعد امریکہ نے ایک طرف چند ماہ کے اندر بھارت کو جدید ترین آزمودہ کار اسلحہ سے لیس کر دیا اور دوسری جانب پاکستان کو پٹرولیم کی ترسیل، فوجی و دیگر امداد بند کر دی۔ چنانچہ بھارت نے اس ناجائز برتری سے شہ پا کر ۱۹۶۵ء میں رات کی تاریکی میں لٹیروں کی طرح پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اللہ کے فضل سے پاک فوج کی بے مثال مہارت نے جلد ہی بھارت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن حکومت پاکستان کی ناقص کارکردگی اور کمزور پالیسی کے باعث اس جنگ سے کوئی خاص فائدہ نہ حاصل کر سکے۔

پھر پاکستان کو "کٹ ٹو سائز" کرنے کے لئے مشرقی پاکستان میں ایک بھیانک کھیل شروع کر دیا گیا۔ امریکی وزیر خارجہ "ہنری کسنجر" کے ہندوستان کے پاکستان پر حملہ کی تیاری کے بارہ میں متنبہ کرنے کے باوجود بدقماش حکمرانوں کے کانوں میں جوں تک نہ رینگی۔ یہ کھیل بڑھ کر پاک بھارت جنگ پر منتج ہوا۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ گذشتہ چھ برس سے فوجی امداد کی عدم فراہمی کے باعث جنگی صلاحیت خاص متاثر ہو چکی تھی۔ لیکن غدار حکمرانوں نے ملک کو اپنے تحفظ اقتدار کی بھینٹ چڑھانے میں بے مثال کردار ادا کیا۔ اس دوران امریکہ اور اس کے حواریوں نے پاکستان کو کمزور اور بھارت کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لئے بھارت کو دفاعی امداد مہیا کی اور پاکستان کے ساتھ دھوکہ دہی، امداد بندی اور دفاعی پابندیاں لگا کر جس دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا وہ الگ بحث طویل ہے۔ ان ادوار میں پاکستان سیاسی اعتبار سے غیر مستحکم رہا۔ آئے روز حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں۔

۱۹۷۴ء میں جب بھارت نے فرانس، امریکہ اور روس کی مدد سے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ تو اہلیان پاکستان کو اپنی حیثیت کا احساس ہوا۔ پاکستانی قوم نے حکومت سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ ایٹم بم بنانا ہمارے لئے از حد ضروری ہے اور حکومت نے بھی ایٹمی صلاحیت کے حصول پر توجہ دی اور کہوٹہ پلانٹ کا قیام عمل میں آیا اور

ے خانہ بھٹو سے اس کی مدہوش زبان سے نکلا کہ "ہم گھاس کھا کر بھی ایٹم بم بنائیں گے" جو پوری قوم کا نعرہ بن گیا۔ یہ ضروری بھی تھا۔ کیونکہ مغربی قوتوں نے روائتی ہتھیاروں کے لحاظ سے بھی پاکستان کے بھارت کے ہم پلہ ہونے کے راستے بند یا کم ازکم رکاوٹیں ضرور کھڑی کر دی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بھارت کا ایٹمی پروگرام بلا روک ٹوک جاری تھا۔ اس لئے بھارت کے خطرے کا مقابلہ کرنے کی یہی ایک ترکیب تھی کہ پاکستان بھی ایٹمی پروگرام کو جاری رکھے اور ساتھ ساتھ "ڈیلیوری سسٹم" (میزائل پروگرام) کو بھی ترقی دے۔ پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر کے بقول پاکستان نے ۱۹۸۶ء میں ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی تھی اور ڈاکٹر ثمر مبارک کے مطابق کسی بھی حکومت نے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن ایٹمی پروگرام کی ترقی میں جنرل ضیاء الحق اور صدر اسحاق کی کوششیں بے مثال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے فضل سے آج پاکستان اپنے دفاع میں خود کفیل ہو گیا ہے۔ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے بجا فرمایا ہے کہ اب پاکستان کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ ایٹم بم' غوری' غزنوی' شاہین اور ٹیپو میزائل اس کی واضح مثالیں ہیں جو خالصتا پاکستانی سائنس دانوں اور پاکستانی ٹیکنالوجی کی مرہون منت ہیں۔

۱۳ مئی اور ۲۸ مئی کا درمیانہ عرصہ پاکستان اور حکومت پاکستان کے لئے انتہائی کٹھن مرحلہ تھا۔ ایک ایک لمحہ اس قدر قیمتی تھا کہ جس کی ایک لمحہ کی غفلت کے معاوضے میں عمر بھر کا ماتم بھی کافی نہیں ہوتا۔ ایک طرف عوام کا جذبہ اپنی انتہاء کو چھو رہا تھا کہ ایٹمی دھماکے کرکے ہندو کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ اس صورت میں پاکستان کو سنگین صورتحال کا سامنا تھا۔ وہ دنیا میں یک و تنہا نظر آ رہا تھا اور عالم کفر کی طرف سے عبرتناک دھمکیاں اور دباؤ بڑھ رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف اقتصادی' فوجی اور سیاسی امداد کا لالچ تھا۔ لیکن میاں نواز شریف اور ان کے رفقاء نے استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشداء علی الکفار پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جو عوام کی امنگوں اور پاکستان کے درخشاں مستقبل کے عین مطابق تھا۔ یہ کوئی آسان فیصلہ نہ تھا۔

۲۸ مئی کو چاغی کے مقام پر "واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ" کا مظاہرہ ہوا۔ ساحل کراچی سے خیبر کے پہاڑوں تک پوری قوم نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور پورا عالم اسلام نعرہ تکبیر سے گونج اٹھا۔ پاکستان نے چھ ایٹمی دھماکے کرکے نہ صرف بھارت کا جواب دے دیا بلکہ اکھنڈ بھارت کے منصوبے کو پارہ پارہ کرکے گنگا و جمنا میں ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا' عالمی ٹھیکیداروں کی آنکھیں کھول دیں اور عالم اسلام کی دکھتی رگ پر دست شفقت رکھ کر تسلی دی کہ امت مسلمہ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ ان میں غوریؒ اور ایوبیؒ جیسے باعزم لوگ موجود ہیں۔ خالدؓ اور ابن قاسمؒ کی شجاعت کے آثار ابھی باقی ہیں اور یہ قومی مورال اور حوصلہ بلند کرنے اور کرہ ارض پر باعزت و با غیرت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے ضروری و لازمی تھے۔

پاکستان کے پہلی اسلامی ایٹمی قوت بننے کے ایک سال مکمل ہونے پر اہلیان پاکستان نے ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کے تاریخ ساز دن کو تا ابد یاد رکھنے کے لئے "یوم تکبیر" کے نام سے منا رہے ہیں۔ یہ نام نہ صرف پاکستان کے چودہ کروڑ مسلمانوں کا ترجمان ہے بلکہ تاریخ اسلام کی چودہ سو سالہ روایات کا امین بھی ہے اور احکام خداوندی کا آئنہ دار بھی۔ اسلام جب بھی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوا مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے نعرہ کی گونج مکہ کے گلی کوچوں میں اس وقت بلند ہوئی۔ جب سیدنا عمر فاروقؓ مشرف باسلام ہوئے۔ پھر اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ شروع ہوا۔ پھر نعرہ تکبیر مسلمانوں نے کبھی بدر و حنین' کبھی فتح مکہ کے موقع پر بلند کیا۔ یہ نعرہ تکبیر کسری کے ایوانوں میں بلند ہوا اور قسطنطنیہ میں اس کی گونج سنائی دی۔ ساحل اندلس سے صدا تکبیر بلند ہوئی اور بحر ہند نے اس کا جواب دیا۔ یہی وہ نعرہ ہے جس نے مسلمانوں کو اس قدر عظیم بنا دیا کہ ان کے سامنے جغرافیائی حد بندیاں بے حیثیت' سمندروں کی خلیج اور دریاؤں کی روانی بے معنی اور بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کی چوٹیاں فضول ہو کر رہ گئیں۔

جب تاریخ دجلہ میں چلنے والے مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلنے والیاں بجلیاں گن رہی تھی اس وقت جمنا کے کنارے خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے ہزاروں ہاتھ وضو کر رہے تھے۔ دنیا کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ روک سکتی ہے اور نہ کوئی مجبوری ان کے پاؤں کی زنجیر بن سکتی ہے اور نہ کسی کا رعب ان کے قلوب و اذہان پر اپنے پنجے گاڑ سکتا ہے اور ۲۸ مئی اس کے عملی مظاہرے کا دن ہے۔ یہ یوم انقلاب ہے اور قوم کو بجا طور پر اپنی ان کامیابیوں پر فخر ہے اور اس حوالے سے خوشیاں منانا ان کا حق ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر زندہ قوموں کے لئے تین چیزوں پر نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

(☆) خوشی منانے کے انداز پر غور کیا جائے کہیں محسن کی نعمت کا شکریہ اس انداز میں تو نہیں ادا کیا جا رہا جو اس کی خلاف ورزی اور شکر ہونے کے باوجود ناشکری کے زمرے میں آتا ہے؟ ہم پچھلے کئی دنوں سے یوم تکبیر کے حوالے سے خوشیاں منا رہے ہیں۔' اس میں ایسے انداز بھی شامل ناچ' گانا' عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ والہانہ انداز میں چلنا اور ایسے تمام کام اس زمن میں آتے ہیں جس میں عریانی و فحاشی کا مظاہرہ ہو۔ جو اسلام کے برعکس غیر مسلم قوموں کی

ترجمانی کرتے ہیں۔ یوم تکبیر کا معنی یہ ہے کہ جس اللہ نے ہمیں اس عظیم نعمت سے نوازا ہے عیش و طیش میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

(☆) زندہ قومیں دھویں دار تقریریں' مجنونانہ نعرے اور بلند و بالا دعوے کرنے کی بجائے اپنی کامیابیوں پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خامیوں اور کمزوریوں پر بھی کڑی نظر رکھتی ہیں اور جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے معروضی انداز میں اپنی کامرانیوں اور شادمانیوں کے ساتھ اپنی خطاؤں اور فروگزاشتوں کی بھی بیلنس شیٹ تیار کرتی ہیں اور پھر ان ثابت شدہ حقائق کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کرتی ہیں۔

(☆) زندہ قومیں اپنے یادگار دنوں کی خوشی میں کروڑوں روپے ضائع کرکے سال بھر کے لئے سو نہیں جاتی اور نہ اس قومی یادگار کے تقاضوں سے چشم پوشی کرتی ہیں۔ تقاضے پورے کئے بغیر اگر سو مرتبہ بھی کسی دن کی یاد میں جشن منا لیا جائے تو وہ سوائے وقتی اور مالی نقصانات کے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم کسی بھی حیثیت سے اس ملک کے باشندے ہیں تو اس دن کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی اپنی جگہ پر کوشاں ہو جائیں تب آپ دیکھیں گے کہ کیونکر ترقی اور کامرانی ہماری قدم بوسی کرتی ہے۔ آیئے ذرا یوم تکبیر کے تقاضوں اور مطالبات پر نظر ڈال لیں۔

ا۔ مظلوم مسلمان

آج دنیا کے ہر خطے میں مسلمان ظلم کا شکار ہیں۔ کفر طاقتیں تمام تر بعد کے باوجود ان کے خلاف متحد و متفق ہیں۔ آج مسلمان مظلوم کیوں ہے یہ تو وقت کا عازم اور فاتح تھا اور وقت لونڈی کی طرح اس کی جنبش لب کا منتظر رہتا تھا۔ سروسامانی کی اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں۔ اس کی جمعیت اگر کم ہوتی تو آسمان کے فرشتے اس کی قیادت کو اپنے لئے فخر سمجھتے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والا۔ بادلوں کو ایک اشارے سے اپنا راستہ تبدیل کر دینے پر مجبور کرنے والا۔ دریا کو اس کے گھوڑوں کے سموں کو تر کرنے کی اجازت نہیں۔

سمندر کی موجیں اٹھ اٹھ کر غازیان اسلام کا استقبال کرتی ہیں اور پہاڑ اس کے سامنے اپنا سینہ سکیڑ لیتے ہیں۔ آج اس کی قیمت حیوان سے بھی ارزاں ہو چکی ہے۔ کشمیر' فلسطین اور الجزائر اپنے کل کے فاتح کو آج پٹتا ہوا دیکھ کر متعجب ہیں۔

ہاں ! اس کے علاوہ اس کی کوئی اور وجہ نہیں کہ:

انما الامم الاخلاق مابقیت
فانهم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

ترجمہ :۔ قومیں تب زندہ رہتی ہیں جب ان کے اخلاق زندہ ہوں۔ اگر ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو قومیں خود بخود ختم ہو جایا کرتی ہیں۔

انہوں نے اسلامی اخلاقیات کو چھوڑ دیا کہ مغرب کی اندریں تاریک تر ترقی سے ان کی آنکھیں چندھا گئیں ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے مرکز سے لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ ؎

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

اور افتراق و انتشار کا شکار ہو کر آپس میں گریبان ہوگئے اور کفر قوتیں اسی گھڑی کے انتظار میں تھیں۔

آج کوئی صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کی تیاریوں میں مصروف ہے تو کوئی مدینہ و خیبر کو اپنی جاگیر بتا رہا ہے اور کوئی جزیرہ عرب سے انخلائے یہود کے فاروقی فیصلے کا قرض چکانے کے لئے کمربستہ ہو چکا ہے۔

بوسنیا کی بندر بانٹ کے بعد "سلوبوڈون میلا سوچ" "پولجے" کے اسی میدان میں کھڑا ہو کر یہ اعلان کر رہا تھا۔ جہاں چھ صدیاں قبل ۱۳۸۹ء میں مسلمانوں کے گھوڑوں کے سموں تلے ہزاروں سربی خاک و خون میں تڑپ گئے تھے کہ "کوسوو کی مقدس سرزمین سربیوں کی Heart Land ہے اور یہاں سے مسلمانوں کو نکال کر مکہ میں پھینک دیا جائے گا۔ یورپ میں اسلام کوسوو کے راستے سے آیا اور یہیں دفن ہو کر رہے گا" اس اعلان کے بعد کوسوو کے مسلمانوں سے اپنے صوبے کے مالک ہونے کی حیثیت سے حاصل ہونے والے اختیارات اور آزادیاں چھین لی گئی۔ 90٪ سے زیادہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو سیاست' ریاستی اور انتظامی اختیارات سے بے دخل کر دیا۔ حتی کہ سرکاری نوکریاں' صحت اور تعلیم تک کی سہولت سے محروم کر دیا گیا اور 2.2 ملین مسلمان اپنے ہی وطن میں اجنبی بن کر رہ گئے۔

۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو جب محسن پاکستان ملکی دفاع کے لئے دھماکے کرنے کے لئے ایٹم بم کا بٹن دبا رہے تھے اسی وقت درندہ صفت سربی صدر مسلمانوں کے کھلے عام قتل و غارت کا حکم دے رہا تھا۔ داستان ظلم سنانے کے لئے ہم صرف واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ پر اکتفا کریں گے کہ "چند دیہاتوں پر گن شپ ہیلی کاپٹروں اور مارٹر گولوں سے حملہ کیا گیا۔ ٹینکوں کے ذریعے گھروں کو روندا گیا۔ بھاری مشین گنوں کے ذریعے جان بچانے کے لئے چھپے ہوئے مسلمانوں پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔ لوگوں کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور ان کے جانے کے بعد باقی ماندہ گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔ مقتولین کی آنکھیں نکالی گئی اور ان کے سرگولیوں سے اڑا دیئے گئے۔ ایک رپورٹر کے بقول وہاں "صرف آگ اور دھواں ہے باقی کچھ نہیں بچا' میں نے صرف کھوپڑیاں اور جسمانی اعضاء بکھرے پڑے دیکھے۔"

اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ دینی ہے۔ جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے۔ وہ ایک ہے۔ پس اس کے ماننے

والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ اگرچہ جغرافیائے عالم نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔ ہر انسان جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا۔ بجرد اس اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ مصری ہو یا فلسطینی' خواہ فرانسیسی ہو یا چینی' لیکن اگر وہ مسلم ہے تو خاندان توحید کا ایک عضو ہے۔ زمین کے دو دراز گوشوں پر بسنے والی قومیں اور آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز ہیں۔

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

مسلمان کا اسلحہ درحقیقت اسلام کا اسلحہ ہوتا ہے۔ دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کے ماننے والے معرکہ آراء ہوں یا مظلوم ہوں تو اسلام تمام مسلمانوں سے یہ تقاضا کرتا ہے۔ ان کی مدد کرنے میں دنیا کا کوئی قانون یا وطن کی حد بندی رکاوٹ نہیں بننی چاہئے۔ یوم تکبیر کا ہم سے یہی مطالبہ ہے۔ اسلام اس چیز کا درس دیتا ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں حامی ء اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تمام پیروان اسلام اس کا زخم اپنے سینوں میں دیکھیں۔

آسمان کے نیچے کہیں بھی پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو ایک ارب نفوس اس کی تڑپ اپنے دلوں میں محسوس کریں۔ کیونکہ ملت اسلامیہ ایک جسم واحد ہے۔ مسلمان خواہ کہیں ہوں۔ اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر پاؤں کے تلوے میں کانٹا چبھے تو باقی اعضاء کٹ کر الگ نہیں ہوئے تو ممکن نہیں کہ اس کی تکلیف وہ چبھن سے بے خبر رہیں۔ گویا۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

قارئین کرام! کفر ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کر دینے کے لئے تیز کر رہا ہے۔ بوسنیا' کوسوو' کشمیر اور فلسطین تو اس کی چبھن کے ابتدائی نشانات ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہو جائیں۔ یورپ مسلمانوں کی غفلت اور اغراض پرستی سے خوب واقف ہے۔ لیکن وہ قبل از وقت پیدا ہونے والی قوتوں کا استیحصال اور اسلام کے فنا کر دینے سے پہلے اس کے بچاؤ کی ڈھال کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ تو اہلیان پاکستان پر پہلی مسلم ایٹمی طاقت ہونے کی رو سے یہ واجب ہوتا ہے کہ اپنے ایٹمی اسلحہ سے عالم اسلام کو مایوس نہ کرے۔ اگر امریکہ استحکام اسرائیل کے لئے روس بھارت کے استحکام کے لئے ہر طرح کا دفاعی سازو سامان فراہم کر رہا ہے تو کیا مضائقہ ہے کہ ہم عالم اسلام کے استحکام کے لئے مایوس کن رویے کا اظہار کریں۔ عالم اسلام کا استحکام خود پاکستان کا استحکام ہے۔ اگر یورپی ممالک نے اپنی حد بندیاں محو کرکے یورپ ایک ہی مملکت کی شکل دیدی ہے تو کوئی وجہ نہیں پاکستان مسلمان ممالک کے لئے ویزے کی پابندیاں برقرار رکھے۔ نہیں! نہیں! عالم اسلام پاکستان کو اپنا قائد تسلیم کرتا ہے تو ضروری ہے کہ پاکستان اس کو اپنی قیادت سے محروم نہ کرے بلکہ بڑھ کر زمام قیادت سنبھال لے اور پورے عالم اسلام کو "انما المؤمنون اخوۃ" کی عملی صورت بنا دے اور اسلام دشمن یو۔این کی پالیسیوں کو ترک کر دیں اور اسلامی اقوام متحدہ قائم کرکے اپنے مسائل کا حل اسلام کے دامن میں تلاش کرے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

دنیا کے کسی کونے میں بسنے والا مسلمان عالم اسلام کی طاقت اپنے بازوؤں میں محسوس کرے اور طاغوتی طاقتیں کسی بھی مسلم ملک کی طرف میلی نگاہ سے دیکھنے کی جرات نہ کریں۔ یوم تکبیر کا یہی تقاضا ہے تو پھر۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
سمجھے گا زمانہ تری آنکھ کے اشارے*
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

یہ کبھی نہ بھولئے کہ اس بزم سود و زیاں میں کامرانی کا جام کبھی کوتاہ دستوں کے لئے نہیں بھرا گیا۔ وہ ہمیشہ انہی کے حصے میں آیا جو خود بڑھ کر اٹھا لینے کی جرات رکھتے ہیں۔

انسان کے پاس دو اقسام کی قوت و طاقت ہوتی ہے۔ مادی قوت (روایتی اسلحہ) نظریاتی قوت جسے ہم غیرت اور جذبہ جہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک آدمی کے پاس مادی قوت بے شمار ہو لیکن نظریاتی قوت ناپید ہو تو مادی قوت بے کار ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر انسان نہتہ ہو لیکن دل میں ہمت و مستعدی' جسم میں چستی اور بازو میں زور ہے تو مخالف کو زیر دام لانے میں کچھ مشقت پیش نہیں آتی۔ ایک مرتبہ سرورکونین ایک درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے تھے اور تلوار درخت پر لٹک رہی تھی کہ ایک یہودی نے موقع غنیمت جانا اور شمشیر بکف ہو کر للکارا "من یمنعک منی" میری برہنہ تلوار سے تجھے کون بچائے گا تو آپؐ نے فرمایا "اللہ" یہ ایک روحانی اور نظریاتی قوت تھی کہ یہودی کے لرزنے اور کپکپاتے ہاتھوں سے تلوار گر گئی۔ آپؐ نے لپک کر تلوار اٹھائی اور "من یمنعک منی" اب تجھے کو بچائے گا تو یہودی قدموں میں گر کر کہنے لگا آپ کا اخلاق و حلم ہی بچا سکتا ہے۔

اسی طرح سرحدوں کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) علاقائی سرحدیں

(۲) نظریاتی سرحدیں

ہم نے ایٹم بم' حتف' غوری' غزنوی' اور شاہین کا کامیاب تجربہ کرکے اپنی ملکی و علاقائی سرحدوں کو محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن نظریاتی سرحدوں کی طرف ہماری توجہ ہی نہیں جبکہ ان کی حفاظت علاقائی سرحدوں سے بھی زیادہ لائق توجہ ہیں۔ ملکی سرحدوں کی حفاظت وہی قوم صحیح طور پر سرانجام دے سکتی ہے۔ جس کے اذہان

یکتا و پختہ ہوں اور ان کی نظریاتی و روحانی سرحدیں محفوظ ہوں وگرنہ قومیں غرناطہ اور بغداد جیسی سلطنتیں خود اپنی ہاتھوں سے کھنڈرات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ یہی وہ انقلاب ہے جو کائنات انسانیت کا نقشہ حیات و ممات مٹتا اور بدلتا رہتا ہے اور جن کی بدولت دنیا کی سعادت و ہدایت کا قیام اور عالم انسانیت کی ابدیت روحانی اسی کی رہین منت ہے۔ یہی روحانی انقلاب تھا جو چودہ صدیوں جزیرہ نما عرب میں اسلام کے نام پر رونما ہوا تو پھر سمندروں کی طغیانی' دریاؤں کی روانی' پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں اور جغرافیائی سرحدیں اس کا راستہ نہ روک سکیں۔ اس نے پوری دنیا کو گلوبل و یلج بنا کر رکھ دیا۔ اس لئے جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت نظریاتی اور روحانی طاقت ہی کر سکتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ فوجیں جنگ نہیں لڑتی' قومیں جنگ لڑتی ہیں۔ مشرق بعید' ویتنام اور افغانستان میں فرانسیسیوں' امریکیوں اور روسیوں کا حشر واضح مثالیں ہیں۔ اس لئے ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ قوم کو ہوائی میزائل اور ایٹمی حملوں کے دوران عمل اور بچاؤ کے طریقے اور بنکر بنانے کی تربیت دے۔ ملت پاکستان کو جدید جنگ کے مطابق جہاد کے لئے تیار کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وہ اصلی قوت ہے جو انسان کی کامیابی کی ضامن ہے۔

اس کے برعکس اگر اپنے مخالف بھارت کی بیہودہ حرکات کا جواب دینے کے لئے صرف روایتی اسلحہ کی فراہمی پر ہی اپنے قومی وسائل جھونکتے چلے گئے اور روحانی قوت تیار نہ کی' علاقائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی کوشش نہ کی تو روس اور امریکہ سے زیادہ جنگی سازو سامان جمع نہیں کر سکتے۔ اگر روس سپرپاور ہونے کے باوجود شکست و ریخت کا شکار اور امریکہ معاشی مشکلات میں گرفتار ہو سکتا ہے تو یہ روائتی اسلحہ پاکستان کو بھی دفاعی و معاشی مشکلات سے دو چار کر سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ روائتی ہتھیار بنانے نہیں چاہئے بلکہ ان کی ضرورت و اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔

روحانی قوت (جذبہ جہاد) پیدا کرنے کا واحد طریقہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے کفار و مشرکین کے مقابلے میں روحانی قوت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا کہ دشمن کے نظریات و افکار اور بود و باش سے بھی کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ تجارت' کھیل' ثقافت اور کلچر کے میدان میں تعاون کرکے عوام کے دلوں میں اس کی محبت ہمدردی کے جذبات نہ پیدا ہونے دیں وگرنہ وہ عوام کے دلوں میں داخل ہو کر جذبہ جہاد اور قوت روحانی کے آشیانے جلا کر خاکستر بنا دیں گے۔ جبکہ آج ہمارے بڑے بڑے مفکر و دانشور بھی بھارت کو بہترین دوست قرار دے رہے ہیں اور سرحدوں کو بے معنی قرار دے کر کہہ رہے ہیں۔

پتھر کس کو مارو گے جب انکے سر بھی اپنے ہیں
ساتھی ہیں دیواریں سب کی سارے گھر بھی اپنے ہیں
اپنی ہیں وہ باہیں جن کے وار سہے سینے پر
جن پر ہم نے زخم لگائے وہ پیکر بھی اپنے ہیں

بعض بھارتی محبت میں اس قدر اسیر ہو چکے ہیں کہ اپنے ملک کو ہی خاسر و نامراد قرار دے رہے ہیں۔ اس اصول کی اہمیت اس وقت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے جب دشمن بھارت جیسا مکار ہو۔

دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لئے جو ہمیں جہادی تربیت کا حکم دیا گیا تھا اس کے ایک حصے پر ہم نے عمل کر دیکھایا ہے۔ اب اسی جذبے و ولولے کے ساتھ اس کا وائی کو اپنے اندرونی محاذوں پر دہرانہ چاہئے۔ اب اگر عام آدمی کو چاغی کے پہاڑوں پر پھیلنے والے رنگوں اور روشنیوں کی جھلک اپنی زندگی اور اپنے گھر کے درو دیوار پر نظر نہ آئے تو آہستہ آہستہ یہ تاریخ ساز دن محض یوم تعطیل کے طور پر منایا جائے گا۔ اس کی حقیقت مفقود ہو جائے گی اور مال و وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ہم میں سے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی بھی حیثیت سے اس ملک کا باشندہ ہو یہ عزم کر لے کہ ہم اس دن کی اگلی سالگرہ اس حال میں منائیں کہ ہمارا ملک جہالت' کرپشن' دہشت گردی' فرقہ پرستی' غربت' بے روزگاری اور سود سے پاک ہو۔ اس میں سیاسی' معاشی' معاشرتی ڈسپلن ہو اور ان سب سے بڑھ کر شریعت اسلامیہ کا مکمل نفاذ ہو گا۔ کیونکہ اس کے پاکیزہ گلے میں ہماری تحفظ آبرو کی مالا ہے۔ اس کے ماتھے پر ہمارے مسائل کے حل کا جھومر لٹک رہا ہے۔ معاشرتی ضوابط اس کے سینے پر تمغوں کی صورت میں سجے ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی کے قواعد کا ید بیضاء اس کی آستین میں ہے۔ گویا ہماری زندگی کے اصول اس کے دامن میں یاقوتی حباب کی صورت میں مرصع ہیں۔ اسلام سرمایہ داری کی شہ رگ پر خنجر بڑا ہے۔ مزدور کے تلخ اوقات کو خوشگوار بنانے کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ جہاں یہ فحاشی اور بے حیائی کی جڑ اکھاڑ پھینکتا ہے وہاں وہ معاشی ناہمواریوں کا سدباب بھی احسن طریقے سے کرتا ہے۔

اگر ہم باعزت زندگی گزارنے کے متمنی ہیں تو پھر اسلام وہ واحد طریقہ کار ہے جو ہمارے خوابوں کی شرمندہ تعبیر کر سکتا ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ ہم پر فرض ہے کہ پاکستان کی اساس ہے۔ جس کا نفاذ ہمارے ذمے قرض ہے جس کے چکانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایٹمی قوت کے طور پر اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کے لئے ہمت ضرور کرنا پڑے گی۔

تاکہ پاکستان عالم اسلام کا قلعہ' اقوام عالم کے لئے امن و سکون کا گہوارہ اور ایک مثالی خطہ بن جائے جہاں مساوات محمدی چاروں طرف سایہ فگن نظر آئیں۔ اسی چراغ کی روشنی میں اگر ہم اکیسویں صدی میں داخل ہوئے تو بلا جھجک [illegible] سکیں گے۔

وقار انجمن ہم سے فروغ انجمن ہم ہیں
سکوت شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں
طلوع آفتاں تو ہمارے نام پر ہو گا
وہ جسکی خاک کے ذرے ہیں خورشید وطن ہم ہیں

بہر صورت ہمارے ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنو کی سادگی ہم ہیں' خرد کا بانکپن ہم ہیں

دنیا کے کسی کونے میں بسنے والا مسلمان عالم اسلام کی طاقت اپنے بازوؤں میں محسوس کرے اور طاغوتی طاقتیں کسی بھی مسلم ملک کی طرف میلی نگاہ سے دیکھنے کی جرات نہ کریں۔ یوم تکبیر کا یہی تقاضا ہے تو پھر۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
سمجھے گا زمانہ تری آنکھ کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

یہ کبھی نہ بھولئے کہ اس بزم سود و زیاں میں کامرانی کا جام کبھی کوتاہ دستوں کے لئے نہیں بھرا گیا۔ وہ ہمیشہ انہی کے حصے میں آیا جو خود بڑھ کر اٹھا لینے کی جرات رکھتے ہیں۔

انسان کے پاس دو قسم کی قوت و طاقت ہوتی ہے۔ مادی قوت (روایتی اسلحہ) نظریاتی قوت جسے ہم غیرت اور جذبہ جہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک آدمی کے پاس مادی قوت بے شمار ہو لیکن نظریاتی قوت ناپید ہو تو مادی قوت بے کار ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر انسان نہتہ ہو لیکن دل میں ہمت و مستعدی' جسم میں چستی اور بازو میں زور ہے تو مخالف کو زیر دام لانے میں کچھ مشقت پیش نہیں آتی۔ ایک مرتبہ سرور کونین ایک درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے تھے اور تلوار درخت پر لٹک رہی تھی کہ ایک یہودی نے موقع غنیمت جانا اور شمشیر بکف ہو کر للکارا "من یمنعک منی" یعنی برہنہ تلوار سے تجھے کون بچائے گا تو آپ نے فرمایا "اللہ" یہ ایک روحانی اور نظریاتی قوت تھی کہ یہودی کے لرزنے اور کپکپاتے ہاتھوں سے تلوار گر گئی۔ آپ نے لپک کر تلوار اٹھائی اور "من یمنعک منی" اب تجھے کون بچائے گا تو یہودی قدموں میں گر کر کہنے لگا آپ کا اخلاق و حلم ہی بچا سکتا ہے۔

اسی طرح سرحدوں کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) علاقائی سرحدیں

(۲) نظریاتی سرحدیں

ہم نے ایٹم بم' حتف' غوری' غزنوی' اور شاہین کا کامیاب تجربہ کرکے اپنی ملکی و علاقائی سرحدوں کو محفوظ تو کر لیا ہے۔ لیکن نظریاتی سرحدوں کی طرف ہماری توجہ ہی نہیں جبکہ ان کی حفاظت علاقائی سرحدوں سے بھی زیادہ لائق توجہ ہے۔ ملی سرحدوں کی حفاظت وہی قوم صحیح طور پر سرانجام دے سکتی ہے۔ جس کے اذہان یکسو و پختہ ہوں اور ان کی نظریاتی و روحانی سرحدیں محفوظ ہوں وگرنہ قومیں غرناطہ اور بغداد جیسی سلطنتیں خود اپنی ہاتھوں سے کھنڈرات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ یہی وہ انقلاب ہے جو کائنات انسانیت کا نقشہ حیات و ممات مٹا اور بدلتا رہتا ہے اور جس کی بدولت دنیا کی سعادت و ہدایت کا قیام اور عالم انسانیت کی ابدیت روحانی اسی کی رہین منت ہے۔ یہی روحانی انقلاب تھا جو چودہ صدیوں قبل جزیرہ نما عرب میں اسلام کے نام پر رونما ہوا تو پھر سمندروں کی طغیانی' دریاؤں کی روانی' پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں اور جغرافیائی سرحدیں اس کا راستہ نہ روک سکیں۔ اس نے پوری دنیا کو گلوبل و سٹیج بنا کر رکھ دیا۔ اس لئے جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت نظریاتی اور روحانی طاقت ہی کر سکتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ فوجیں جنگ نہیں لڑتی' قومیں جنگ لڑتی ہیں۔ مشرق بعید' ویتنام اور افغانستان میں فرانسیسیوں' امریکیوں اور روسیوں کا حشر واضح مثالیں ہیں۔ اس لئے ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ قوم کو ہوائی میزائل اور ایٹمی حملوں کے دوران عمل اور بچاؤ کے طریقے اور بنکر بنانے کی تربیت دے۔ ملت پاکستان کو جدید جنگ کے مطابق جہاد کے لئے تیار کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وہ اصلی قوت ہے جو انسان کی کامیابی کی ضامن ہے۔

اس کے برعکس اگر اپنے مخالف بھارت کی بیہودہ حرکات کا جواب دینے کے لئے صرف روایتی اسلحہ کی فراہمی پر ہی اپنے قومی وسائل جھونکتے چلے گئے اور روحانی قوت تیار نہ کی' علاقائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی کوشش نہ کی تو روس اور امریکہ سے زیادہ جنگی سازو سامان جمع نہیں کر سکتے۔ اگر روس سپرپاور ہونے کے باوجود شکست و ریخت کا شکار اور امریکہ معاشی مشکلات میں گرفتار ہو سکتا ہے تو یہ روایتی اسلحہ پاکستان کو بھی دفاعی و معاشی مشکلات سے دو چار کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ روایتی ہتھیار بنانے نہیں چاہئے بلکہ ان کی ضرورت و اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔

روحانی قوت (جذبہ جہاد) پیدا کرنے کا وہی طریقہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے کفار و مشرکین کے مقابلے میں روحانی قوت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا کہ دشمن کے نظریات و افکار اور بود و باش سے بھی کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ تجارت' کھیل' ثقافت اور کلچر کے میدان میں تعاون کرکے عوام کے دلوں میں اس کی محبت ہمدردی کے جذبات نہ پیدا ہونے دیں وگرنہ وہ عوام کے دلوں میں داخل ہو کر جذبہ جہاد اور قوت روحانی کے آشیانے جلا کر خاکستر بنا دیں

گے۔ جبکہ آج ہمارے بڑے بڑے مفکر و دانشور بھی بھارت کو بہترین دوست قرار دے رہے ہیں اور سرحدوں کو بے معنی قرار دے کر کہہ رہے ہیں۔

پتھر کس کو مارو گے جب انکے سر بھی اپنے ہیں
سانجھی ہیں دیواریں سب کی سارے گھر بھی اپنے ہیں

اپنی ہیں وہ باہیں جن کے وار سے سینے پر
جن پر ہم نے زخم لگائے وہ پیکر بھی اپنے ہیں

بعض بھارتی محبت میں اس قدر اسیر ہو چکے ہیں کہ اپنے ملک کو ہی خاسر و نامراد قرار دے رہے ہیں۔ اس اصول کی اہمیت اس وقت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے جب دشمن بھارت جیسا مکار ہو۔

دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لئے جو ہمیں جہادی تربیت کا حکم دیا گیا تھا اس کے ایک حصے پر ہم نے عمل کر دیکھایا ہے۔ اب اسی جذبے و ولولے کے ساتھ اس کارروائی کو اپنے اندرونی محاذوں پر دہرانہ چاہیے۔ اب اگر عام آدمی کو چاغی کے پہاڑوں پر پھیلنے والے رنگوں اور روشنیوں کی جھلک اپنی زندگی اور اپنے گھر کے درو دیوار پر نظر نہ آئے تو آہستہ آہستہ یہ تاریخ ساز دن محض یوم تعطیل کے طور پر منایا جائے گا۔ اس کی حقیقت مفقود ہو جائے گی اور مال و وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ہم میں سے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی بھی حیثیت سے اس ملک کا باشندہ ہو یہ عزم کر لے کہ ہم اس دن کی اگلی سالگرہ اس حال میں منائیں کہ ہمارا ملک جہالت' کرپشن' دہشت گردی' فرقہ پرستی' غربت' بے روزگاری اور سود سے پاک ہو۔ اس میں سیاسی' معاشی' معاشرتی ڈسپلن ہو اور ان سب سے بڑھ کر شریعت اسلامیہ کا مکمل نفاذ ہو۔ کیونکہ اس کے پاکیزہ گلے میں ہماری تحفظ ابرو کی مالا ہے۔ اس کے ماتھے پر ہمارے مسائل کے حل کا جھومر لٹک رہا ہے۔ معاشرتی ضوابط اس کے سینے پر تمغوں کی صورت میں سجے ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی کے قواعد کا ید بیضاء اس کی آستین میں ہے۔ گویا ہماری زندگی کے اصول اس کے دامن میں یاقوتی حباب کی صورت میں مرصع ہیں۔ اسلام سرمایہ داروں کی شہ رگ پر خنجر برا ہے۔ مزدور کے تلخ اوقات کو خوشگوار بنانے کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ جہاں یہ فحاشی اور بے حیائی کی جڑ اکھاڑ پھینکتا ہے وہاں وہ معاشی ناہمواریوں کا سدباب بھی احسن طریقے سے کرتا ہے۔

اگر ہم باعزت زندگی گزارنے کے متمنی ہیں تو پھر اسلام وہ واحد طریقہ کار ہے جو ہمارے خوابوں کی شرمندہ تعبیر کر سکتا ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ ہم پر فرض ہے کہ پاکستان کی اساس ہے۔ جس کا نفاذ ہمارے ذمے قرض ہے جس کے چکانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایٹمی قوت کے طور پر اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کے لئے ہمت ضرور کرنا پڑے گی۔ تاکہ پاکستان عالم اسلام کا قلعہ' اقوام عالم کے لئے امن و سکون کا گہوارہ اور ایک مثالی خطہ بن جائے جہاں مساوات محمدی چاروں طرف سایہ فگن ہو۔ اسی چراغ کی روشنی میں اگر ہم اکیسویں صدی میں داخل ہوئے تو بلا جھجک کہ سکیں گے۔

وقار انجمن ہم سے فروغ انجمن ہم ہیں
سکوت شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں
طلوع آفتاب نو ہمارے نام پر ہو گا
وہ جسکی خاک کے ذرے ہیں خورشید وطن ہم ہیں
بہر صورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنو کی سادگی ہم ہیں' خرد کا بانکپن ہم ہیں

امراء اور سلاطین کے نام

علامہ ابن جوزیؒ حکام و امراء اور سلاطین کی ایک کمزوری اور مغالطہ کا ذکر کرتے ہیں۔

معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان اس کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا' حالانکہ اس خیر سے اس شر کا ءرمصیہ نہیں ہو سکتا' ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا' اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی' وہ تاجر اپنے زمانے کے مشہور مرد صالح مالک بن دینار کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا' مالک بن دینار چنگی والے کے پاس گئے اور اس تاجر کی سفارش کی' اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی وہیں سے کہلوا دیا ہوتا ہم تعمیل کرتے' پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے' پھر فرمایا کہ تمہارے حق میں کیا دعا کروں' جبکہ ہزار آدمی تمہارے لئے بددعا کرتے ہیں کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی۔

دولت مندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے' چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں اگر رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا اور جانتا ہے' ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف ﴿تاریخ دعوت و عزیمت﴾ سے اقتباس